ڈاکٹر محمد کامران

صدرِ شعبہ اردو، پنجاب یونیورسٹی، اورینٹل کالج، لاہور

# پاکستان میں اردو کا نفاذ۔اہم حقایق

**Dr Muhammad Kamran**

Head department of Urdu, Punjab University Oriental College Lahore.

## Implementation of Urdu in Pakistan: Important facts

The 1973 Constitution recognises Urdu as Pakistan's only national language. It also promises to make it the official language of the state. Since the adoption of the Constitution, the process of Urdu's implementation is still far from complete. In many areas, it has not even started. The fifteen year time frame given in the constitution has passed almost thrice but English remains an administrative, economic and social necessity. The Supreme Court of Pakistan issued its verdict on September 8, 2015 directing the federal and provincial governments to make Urdu the official language within three months. The judges left the ball in the government's court - implement the Constitution or change it.

**Key words:** *Constitution, Language, Adoption, Implentation, Official Language.*

اردو ہماری قومی زبان ہے۔اردو صدیوں پر پھیلی ہوئی ہماری تہذیبی شناخت کا معتبر حوالہ اور مستحکم پاکستان کی ضمانت ہے۔اردو کا سرکاری سطح پر نفاذ ایک اہم آئینی تقاضا اور قومی ضرورت ہے مگر بدقسمتی سے پاکستان میں نفاذِ اردو کے مسئلے کو کسی حکومت نے سنجیدگی سے نہیں لیا۔اربابِ علم و دانش نے اس قومی ضرورت کی تکمیل کے لیے مسلسل خامہ فرسائی کی ہے:

> ”ہمیں اردو کو بحیثیت قومی زبان جو درجہ دینا ہے اس میں اردو کی حیثیت ایک ایسی قومی زبان کی ہے جس میں مسلمانوں کا بیش تر علمی اور فکری سرمایہ محفوظ ہے، جس جس ملک میں اسلام پہنچا وہاں کاروباری، معاشرتی، دفتری، تعلیمی اور ادبی مسائل میں قومی زبانوں کو ہی اہمیت دی گئی۔ظاہر ہے کہ اردو کے لیے بھی قومی زبان کا درجہ ضروری ہے۔اردو کو قومی زبان کی حیثیت سے رائج کرنے کے لیے ان تمام حیثیتوں سے اردو کو اس کا مناسب حق دینا بہت ضروری ہے۔۔۔پاکستان کے باشندوں کے

لیے اردو کی حیثیت قومی زبان کی ہے اس لیے اسے ذریعۂ اظہار کا وسیلہ ہونا چاہیے۔۔۔جب ہم اردو کو قومی زبان کا درجہ دلانا چاہتے ہیں تو ہمارے نزدیک اردو کے لیے وہ مقام ہے جو بطور ذریعۂ تعلیم اب تک انگریزی کو حاصل ہے۔کاروباری، معاشرتی، دفتری، تعلیمی اور ادبی معاملات میں انگریزی کی جگہ اردو کو حاصل ہونی چاہیے، لیکن اردو کو اس کا جایز حق اس وقت ملے گا جب ہماری ذہنیت بدلے گی، ہم نے نیا ملک تو حاصل کر لیا ہے لیکن تقریباً تین سو برس کی غلامی نے ذہنوں میں تقلید کا جو بیج بو دیا ہے وہ ابھی تک پھل لا رہا ہے۔بعض لوگ اردو میں اپنا نام تک لکھنا گوارا نہیں کرتے۔معاشرتی زندگی میں ہر وہ آدمی جو انگریزی میں خط و کتابت نہیں کرتا اور شائستہ مجالس میں انگریزی بولنے سے گریز کرتا ہے۔غیر مہذب سمجھا جاتا ہے۔۔۔ہم انگریزی کو یہاں ذریعۂ تعلیم رکھنے کے مخالف ہیں لیکن انگریزی تعلیم کے مخالف نہیں ہیں۔کسی زبان کی تدریس اور بات ہے، لیکن اسے ذریعۂ تعلیم بنا لینا بالکل جدا چیز ہے۔۔۔اردو کو دفتری حیثیت دینے کے بھی ایسے ہی حیلے، بہانے تراشے جاتے ہیں۔عدالتی زبان کے طور پر اردو مدتوں سے رائج ہے، صرف اسے اعلیٰ عدالتوں تک لے جانے کی ضرورت ہے۔دیہات میں پولیس اور دوسرے محکموں کا کاروبار اردو میں چلتا ہے۔دفتری اصطلاحات کا مسئلہ ایک بڑی حد تک حل ہو چکا ہے۔اب ضرورت ہے کہ اس تمام مواد سے کام لیا جائے اور سرکاری سطح پر دفتروں میں اردو زبان کو رائج کر دیا جائے۔'' (۱)

اردو کے نفاذ میں سب سے بڑی رکاوٹ سرکاری گماشتے اور جاگیردار طبقہ ہیں جن کے مفادات انگریزی سے وابستہ ہیں انہیں اس امر کا ادراک ہے کہ انگریزی کی بالادستی کا خاتمہ ایک نئے دور کی تمہید بن جائے گا اور اردو کے نفاذ سے نچلے اور متوسط طبقے کو قومی تعمیر و ترقی میں اپنا کردار ادا کرنے کا موقع ملے گا۔ اقوامِ عالم اپنی زبان سے محبت کرتی ہیں اور زبان کو اپنی شناخت کا حوالہ سمجھتی ہیں۔

جن اقوام نے ایک طویل عرصے تک غلامی کے دکھ اٹھائے ہوں۔غلامی سے آزادی کا سفر طے کرنے کے باوجود مذکورہ اقوام ذہنی غلامی کے طوق سے آزاد نہیں ہو پاتیں۔مملکتِ خداداد پاکستان میں قومی زبان کو اپنی بقاء کے لیے ایک مسلسل جنگ کا سامنا ہے، لوگ اپنی ہی زبان کے نفاذ سے گریزاں ہیں، اردو کو تعلیم کی زبان بنانے یا دفاتر اور کاروباری معاملات میں مرکزی حیثیت عطا کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ خود پاکستانی ہیں۔پاکستان میں انگریزی، اشرافیہ کی زبان ہے۔پاکستان میں برساتی کھمبیوں کی طرح انگریزی ذریعۂ تعلیم کے حامل اسکولوں کی افزائش ایک قومی المیہ ہے۔نچلے اور متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے والدین اپنے تمام

تر وسایل مذکورہ اسکولوں کی نذر کر دیتے ہیں۔ملک میں تعلیم کے حوالے سے دو میڈیم ہونے سے پاکستانی قوم آدھا تیتر، آدھا بٹیر بن چکی ہے:

ڈاکٹر سید عبداللہ، تعلیم کے ساتھ ساتھ زندگی کے تمام شعبوں میں نفاذِ اردو کے داعی تھے:

"قومی زندگی کے باقی شعبوں میں مثلاً دفتروں میں، عدالتوں میں، کچہریوں میں، جلسوں میں، کانفرنسوں میں غرض ہر جگہ اردو کی ترویج لازمی ہے تاکہ قوم کی قومیت پہچانی جائے۔" (۲)

ڈاکٹر سید عبداللہ، نفاذِ اردو کے لیے ملک گیر اردو تدریس کانفرنسوں کے انعقاد، نصابات کی ازسرنو تشکیل اور انشاء یا دفتری زبان کا پرچہ متعارف کرانے کے ساتھ ساتھ اردو کے ادبیاتی ذخیرے کے وسیع اور فراواں بنانے پر زور دیتے ہیں۔(۳)

اردو کے عملی نفاذ کے ضمن میں بعض اصحاب، جدید علوم و فنون کے حوالے سے اردو کی تنگ دامانی کا شکوہ کرتے ہیں اور اس حوالے سے اردو رسم الخط پر بہت سے سوالات اٹھائے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اردو رسم الخط اور صوتیات میں غیر معمولی وسعت پائی جاتی ہے۔

"Script is the soul of language. Urdu script, which is the soul of brevity represents a much larger number of sounds than English, Persian or Arabic, because Urdu contains all those sounds which are found in English plus those in Arabic, Persian and Hindi and Turkish etc. One who knows Urdu can pronounce words from almost all the semetic and Aryan languages. Urdu script occupies lesser space than Roman and Nagri, and is beautiful to look at. After the invention of machenical devices – in both Naskh and Nastaliq – it has overcome the difficulties of printing." (4)

اردو کے عملی نفاذ کے مخالفین، جدید سائنسی اصطلاحات کے اردو میں تراجم پر خاصی تنقید کرتے ہیں۔اب یہ سوچ فرسودہ ہو چکی ہے کہ علوم و فنون کے حوالے سے مستعمل ہر اصطلاح کو مفرس و معرب سانچے میں ڈھال کر قوم پر مسلط کر دیا جائے۔Computer (کمپیوٹر)، Mobile Phone (موبایل فون) اور اس طرح کے بے شمار الفاظ اپنے اصل نام کے ساتھ اردو میں رواج پا چکے ہیں۔اصطلاح سازی کے عمل میں آسانیاں پیدا ہونے سے یہ مسئلہ بہت حد تک حل ہو چکا ہے:

"اصطلاح نام ہی اس مختصر لفظ کا ہے جو طویل جملے کی جگہ لے لیتا ہے اور علوم میں نہایت مفید مختصربیانی پیدا کر دیتا ہے۔ جن زبانوں میں علوم کا چرچا ہے ان میں تو اصطلاحات فروغِ علم کے ساتھ وجود میں آتی رہتی ہیں اور بڑی آسانی سے جزوِ زبان بن جاتی ہیں۔ کامیاب وہی زبانیں رہتی ہیں جن میں نئے الفاظ بنانے اور غیر زبانوں سے اپنے مزاج کے الفاظ اخذ کرنے کی اعلیٰ صلاحیت موجود ہے۔ اردو بحمداللہ اس شرط پر پورا اترتی ہے۔" (۵)

زندہ زبان کی بنیادی خاصیت ہی یہی ہوتی ہے کہ اس کا دامن کشادہ ہوتا ہے اور علوم و فنون کی دنیا میں رونما ہونے والی تبدیلیاں اور اصطلاحات اس کے قالب میں سماتی چلی جاتی ہیں، کوئی زبان بھی اس امر کا دعویٰ نہیں کر سکتی کہ دنیا کی تمام علمی و فنی اصطلاحیں، اس کے قالب میں ڈھل چکی ہیں:

"جس زبان کو بھی زندہ زبان ہونے کا دعویٰ ہے اس کو زندہ علوم کے ساتھ چلنا ہو گا اور ضرورت کے نئے الفاظ اور اصطلاحوں کو وضع کرتے جانا ہو گا۔ یہ سلسلہ جاری رہنا ہے۔ یہاں جمود سمِ قاتل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اردو کے لیے بھی یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ اس میں سب کچھ موجود ہے۔ کہا صرف یہ جاتا ہے کہ اس میں تعلیمی، درسی، دفتری اور انتظامی ضروریات کی بیش تر اصطلاحیں موجود ہیں جو نہیں ہیں وہ بنتی اور بنائی جا رہی ہیں۔۔۔ یہ بالکل ممکن ہے کہ یہاں جو اصطلاحیں تیار ہوئی ہیں ان میں سے بعض قابلِ قبول نہ ہوں، ہر ادارہ اس کے لیے تیار رہتا ہے کہ اگر اس کی غلطی کی نشان دہی کی جائے تو وہ اپنی اصلاح کر لے۔۔۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اب نظری مباحث میں پڑنے کے بجائے عملی قدم پر زیادہ توجہ کی ضرورت ہے۔ منزلِ مقصود متعین ہے۔" (۶)

لفظ اور معنی کے رشتہ پائے آہن سے زندگی وابستہ ہے۔ ایک لفظ کے ایک سے زاید مفاہیم ہو سکتے ہیں اور ایک معنی کی ترسیل کے لیے بہت سے الفاظ ہو سکتے ہیں، لفظ اور معانی کا رشتہ زبان کی توسیع کا سبب بنتا ہے۔ اصوات کو محفوظ کرنے کے لیے رسم الخط کے حروف ڈھالے گئے۔ جس طرح کوئی زبان مسلسل ارتقائی عمل سے گزرتی ہے اسی طرح آوازوں کے تعین سے حروف سازی کا عمل آگے بڑھتا رہا۔

رسم الخط بنیادی طور پر مختلف آوازوں کی تحریری علامتوں کا ایک مربوط نظام ہے۔

اردو رسم الخط، عربی سے مستعار لیا گیا، عربی اور اردو کے رسم الخط میں فرق کے باعث یہ رسم الخط، اردو کی تمام ضروریات پوری کرنے سے قاصر رہا:

"جب یہ رسم الخط ایران میں اپنایا گیا تو ایرانی زبان کے صوتی نظام سے ہم آہنگ کرنے کے لیے اس میں کچھ اضافے کیے گئے پھر جب یہ ہندوستان پہنچا اور اردو زبان کے لیے اختیار کیا گیا تو اس کے حروف میں اس زبان کی ضروریات کے مطابق مزید اضافے ہوئے، پھر بھی اس میں بہت کچھ کمی رہ گئی ہے۔" (۷)

اردو کے بعض نام نہاد ماہرین لسانیات اور دانش ور کچھ عرصے سے اردو رسم الخط کو رومن رسم الخط میں ڈھالنے کی کوششیں کر رہے ہیں، مذکورہ بالا رویہ اردو دشمنی کا عکاس نظر آتا ہے، اس لیے اردو رسم الخط میں بہتری اور اصلاح کی گنجایش تو ہو سکتی ہے مگر اردو رسم الخط کو ترک کر دینے سے ہمارا بیش قدر علمی اور ادبی ذخیرہ ضایع ہو جائے گا۔اس کی بنیادی وجہ یہ ہے:

"رومن میں ہر حرف جدا لکھا جاتا ہے اس میں نہ ارکان کی تقسیم کا لحاظ ہے، نہ حرکت اور سکون کا اہتمام۔اگر پڑھنے والا کسی لفظ کا تلفظ نہیں جانتا یا اس نے نہیں سنا تو وہ جہاں چاہے لفظ کو توڑ کر رکنوں میں تقسیم کر دے۔ جس حرف کو چاہے، متحرک بولے اور جس کو چاہے ساکن، کیونکہ اس میں اوّل کو حروفِ علت ہی پانچ ہیں اور پھر اَسُروں کے لیے ایسے جُٹ کے جُٹ نظر آتے ہیں جن کے درمیان کوئی حرفِ علت ہی نہیں ہوتا۔اس لیے رومن کا پڑھنا بہت کچھ پڑھنے والے کی صوابدید پر منحصر ہے۔۔۔اردو رسم الخط میں بعض حرف موصل ہوتے ہیں، بعض غیر موصل، جو حروف ملا کر لکھے جاتے ہیں ان میں بھی اور جو الگ الگ لکھے جاتے ہیں، ان میں بھی بعض متحرک ہوتے ہیں اور بعض ساکن، ان کو ملا کر لکھنے یا نہ لکھنے سے ان کی حرکت اور سکون کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس میں حرکت اور سکون کی علامات تو مقرر ہیں لیکن ناکافی ہیں اور جو ہیں وہ بھی پابندی سے نہیں لگائی جاتیں۔" (۸)

اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ اردو رسم الخط کو ترک کرنے کی بجائے اس میں جامعیت پیدا کی جائے اور ایک معیاری رسم الخط وضع کر کے اس پر اصرار کیا جائے۔اس طرح نہ صرف اردو کے عملی نفاذ کی راہ ہموار ہو گی بلکہ دفتری اردو کے حوالے سے بھی مثبت پیش رفت ہو گی۔دفتری املا کے حوالے سے قابلِ عمل رہنمائی موجود ہے۔املا دو قسم کی ہو سکتی ہے:

۱۔ تدریسی املا

۲۔ دفتری املا

"ابتدائی تعلیم میں املا تدریس زبان کا ایک اہم طریقہ ہے۔املانویسی کے ذریعے کسی زبان کی آموزش کے عمل کو تیز کیا جاتا ہے اور یہ طلبہ کی مہارت، استعداد اور

ذخیرۂ الفاظ کو جانچنے کے لیے آلۂ آزمائش بھی ہے، دفتری املا میں کوئی افسر دفتری مراسلت، رپورٹیں یا کارروائیاں ذاتی طور پر یا بالواسطہ طور پر مشین کے ذریعے مختصر نویس کو قلم بند کرواتا ہے جسے وہ بعدازاں ٹائپ کر کے یا خوشخط لکھ کر افسر کو پیش کرتا ہے۔" (۹)

املانویسی کے فوائد بیان کرتے ہوئے عرفان احمد امتیازی رقم طراز ہیں:

"(ا) اس سے وقت بچتا ہے۔

(ب) اس سے مختصر نویسی کا کام دلچسپ ہو جاتا ہے اور اس کی کارکردگی اور افادیت میں اضافہ ہوتا ہے۔

(ج) ٹائپ شدہ نوٹ اور مسودے زیادہ جاذبِ نظر ہوتے ہیں اور آسانی سے پڑھے جا سکتے ہیں۔" (۱۰)

نفاذِ اردو سے عام آدمی کی زندگی پر مثبت اثرات مرتب ہوں گے۔اردو میں عدالتی فیصلہ نویسی سے انصاف کے حصول میں آسانی ہو گی اور عام آدمی کی دشواریاں کم ہوں گی اور ملک کے طول و عروض میں قومی وحدت کا عمل مستحکم ہو گا۔

اردو نہ صرف ہماری قومی زبان ہے بلکہ یہ واحد زبان ہے جو خیبرپختونخوا سے کراچی تک سبھی پاکستانی سمجھتے ہیں اور اسے بجا طور پر مؤثر رابطے کی زبان کے طور پر قبولیت حاصل ہے۔اردو اس اعتبار سے دنیا کی ایک ایسی مؤثر زبان ہے جس میں دوسری زبانوں کے الفاظ اور اصطلاحات کو جذب کرنے اور اپنے مزاج کے سانچے میں ڈھالنے کی غیر معمولی صلاحیت ہے۔اس میں عدالتی، دفتری اور تدریسی زبان بننے کی غیر معمولی صلاحیت اور استعداد پائی جاتی ہے۔اردو میں الفاظ و تراکیب کا ایک بیش بہا خزانہ موجود ہے۔اگر کسی اصطلاح کے لیے مناسب متبادل ترکیب وضع نہ کی جائے تو کسی دوسری زبان سے اخذ کیا جا سکتا ہے یا اس اصطلاح کو ترجمہ کیے بغیر اس کی اصل شکل میں مستعمل کیا جا سکتا ہے۔

برصغیر پاک و ہند میں برطانوی عہد کے ابتدائی دور میں اردو دفتری اور عدالتی زبان کے طور پر رائج رہی اور عام آدمی اس سہولت سے استفادہ کرتا رہا مگر بعدازاں انگریز حکمرانوں نے اپنے مخصوص مفادات کے پیش نظر انگریزی کو دفتری اور عدالتی نظام کا حصہ بنا کر انصاف اور عام آدمی کے درمیان انگریزی کی دیوار کھڑی کر دی:

"تاہم اردو کے اثر و نفوذ کا یہ عالم تھا کہ اس کے متعدد الفاظ، تراکیب اور اصطلاحات کو جوں کا توں لینا پڑا اور عدالتوں میں آج تک اردو کے ایسے الفاظ استعمال ہو رہے ہیں، مثلاً مچلکہ، ناظر، پیشکار، ایلمہ وغیرہ۔قیام پاکستان کے بعد گو

ترویج اردو کی رفتار بہت سست رہی، تاہم اردو آہستہ آہستہ اپنے قدم جماتی رہی ہے۔ ماتحت دفتروں اور ماتحت عدالتوں میں اردو رائج ہو چکی ہے اور اب اعلیٰ دفتروں اور اعلیٰ عدالتوں کا رخ کر رہی ہے۔ وفاقی شرعی عدالت اور عدالتِ عظمیٰ کے شریعہ مرافعہ اجلاس میں انگریزی کے ساتھ اردو بھی استعمال ہوتی ہے۔ اردو میں قانون کی دقیق بحثیں ہوتی ہیں اور اردو میں فیصلے لکھے جاتے ہیں، جن میں آسانی سے قانون کے پیچیدہ مسائل کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں اسلامی قوانین (مثلاً حدود قوانین) کے اجراء نے قابلِ ذکر کام کیا ہے، کیونکہ ان قوانین کے تحت مقدمات کی سماعت عموماً اردو میں ہوتی ہے اور ان کے فیصلے اکثر اردو میں لکھے جاتے ہیں۔'' (۱۱)

ڈاکٹر سید عبداللہ بھی دفتری معاملات کو اردو میں منتقل کرنے کو نفاذِ اردو اور فروغِ اردو میں مرکزی حیثیت دیتے ہیں:

''۔۔۔دفتروں کی سبھی تحریرات کا مقصد کسی نہ کسی مدعا کا اظہار یا ابلاغ ہوتا ہے اور کامیاب اظہار یا ابلاغ کے لیے زبان کے اسالیب پر اور ان مطالب پر جن کا تعلق نظم و نسق کے اداروں، دفتروں اور عدالتوں سے ہے، کامل قدرت لازمی ہے اور یہ کامل قدرت ابتدا میں درسی نصابات کے ذریعے اور بعد میں مسلسل مشق اور مطالعہ و تجربہ سے حاصل ہوتی ہے۔'' (۱۲)

لیفٹیننٹ کرنل غلام جیلانی خاں نے اپنی کتاب، پاک فوج میں اردو، میں اردو کے نفاذ کو فوج کی عسکری اور پیشہ وارانہ تربیت میں اہم قرار دیتے ہوئے مندرجہ ذیل تجاویز پیش کی ہیں:

''۱۔ انگریزی کو مکمل طور پر تمام عسکری اداروں سے خارج کر دیا جائے اور اس کی جگہ اردو کو رائج کر دیا جائے۔

۲۔ ایک خاص لیول تک اردو نافذ کر دی جائے اور اس سے اوپر انگریزی کو برقرار رکھا جائے، مثلاً بٹالین لیول تک تمام کارروائی اردو میں انجام پائے اور اس سے بالائی سطح پر انگریزی میں۔

۳۔ فوج کی تمام سطحوں پر انگریزی نافذ کر دی جائے یعنی سپاہی سے لے کر افسروں تک تمام رینک انگریزی بولیں، انگریزی پڑھیں اور انگریزی لکھیں۔

۴۔ ایک طرف تو افسروں کی کلاس میں انگریزی کے مکمل عمل دخل کو کم کیا جائے اور اس کے متوازی دوسری طرف ٹروپس کی کلاس میں تدریس انگریزی پر زور دیا جائے یعنی افراط و تفریط کا شکار ہوئے بغیر اعتدال کی راہ اختیار کی جائے۔ اعتدال و

توازن کی راہ یہی ہے کہ اردو کو ایک تدریجی عمل اور ایک طے شدہ مدت میں اس قابل بنایا جائے کہ وہ جدید عسکری افکار کے اظہار پر قادر ہو سکے اور اس کے بالکل ساتھ ساتھ انگریزی کو بھی اردو کے شانہ بشانہ چلایا جائے۔ اس کام کے لیے ہمیں فوج کے تمام شعبوں کو ذولسانی یعنی دو زبانوں کا رنگ دینا پڑے گا اور فوج کی تمام نفری کو دو زبانیں سکھانی پڑیں گی جن میں اول اردو، دوم انگریزی ہو گی۔ اردو کو اولیت اس لیے ہو گی کہ فکر اور اظہار کے لیے اردو کا سہارا لیا جائے اور انگریزی کا حصول اس لیے لازم ہو گا کہ اس کے بغیر نہ تو ہم درآمد شدہ اسلحہ اور سازوسامان کو ہینڈل کر سکیں گے اور نہ ہی جدید ایجادات و افکار کے دریچے اپنے اوپر کھول سکیں گے۔'' (۱۳)

بریگیڈیئر ریٹائرڈ گلزار احمد نے اپنے کتابچے ''قومی زبان کا نفاذ۔ چند دشواریاں'' میں ایک دلچسپ سوال اٹھایا ہے:

''قومی زبان کی دشواریاں ایسا متضاد فقرہ ہے جس کی تشریح بجائے خود دشوار ہے اس لیے کہ اگر وہ قومی زبان ہے تو پھر اس کی راہ میں دشواریاں کیوں اور کیسے حایل ہو گئی ہیں اور اگر محض قوم کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے اسے قومی زبان کہا جاتا ہے تو اور بات ہے۔'' (۱۴)

قیام پاکستان سے قبل پورے برصغیر کا مسلمان اردو کو اپنی قومی زبان قرار دیتا تھا اور یہ امر ہر شبہے سے بالاتر تھا کہ آزادی کے بعد اردو ہی قومی اور سرکاری زبان ہو گی، برصغیر میں اردو کو شائستگی کی علامت سمجھا جاتا تھا:

''متحدہ ہندوستان کی فوج بھی اردو ہی استعمال کرتی تھی اس کا اخبار جس کا نام ''فوجی اخبار'' تھا، اردو میں چھپتا تھا، البتہ فوج کے اندر نچلی سطحوں پر کاروبار رومن اردو میں ہوا کرتا تھا اور چونکہ افسر ننانوے فیصد انگریز تھے اس لیے بالائی سطحوں پر فوج کا دفتری کاروبار انگریزی زبان کے توسط سے طے پاتا تھا۔

آزادی کے بعد فوج میں رومن اردو کو ترک کر دیا گیا اور نچلی سطحوں پر تمام کام اردو زبان میں طے پانے لگا، مگر بالائی سطحوں پر انگریزی زبان کا استعمال برقرار رہا، البتہ پاکستان بحریہ اور فضائیہ میں انگریزی کی برتری قائم رہی، افواجِ سہ گانہ کا روزنامہ ہلال جو اب ہفتہ وار رسالے کی شکل اختیار کر چکا ہے وہ شروع سے اردو زبان میں شائع ہو رہا ہے۔ افواجِ پاکستان نے عسکری اصطلاحات کی فرہنگ بھی تیار

کر لی ہے اور کئی سال سے ڈرل کے دوران "کمان الفاظ" Words of Command
کو اردو کے قالب میں ڈھال لیا گیا ہے۔" (۱۵)

مذکورہ بالا دلایل سے اس امر کا اندازہ ہوتا ہے کہ اردو کے نفاذ کے ضمن میں نیک نیتی سے کام کیا جائے تو اردو کا عملی نفاذ نہ صرف ممکن ہے بلکہ کامیابی سے ہم کنار بھی ہو سکتا ہے:

"جو حلقے اردو زبان کی بے بضاعتی اور کم مائیگی کی شکایت کرتے ہیں، انہوں نے آج تک یہ نہیں بتایا کہ کون سے علم یا سائنس کی کتابوں کو اردو کے قالب میں ڈھالنے کی کوشش کی گئی اور یہ کوشش ناکام ہوئی۔ عثمانیہ یونیورسٹی، حیدر آباد اور اردو کالج کراچی میں ہر مضمون کی تدریس کا اردو کے ذریعہ کامیاب تجربہ کیا جا چکا ہے۔" (۱۶)

اردو کے فروغ کے ضمن میں ایک بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ اردو کو شعر و ادب کی زبان قرار دیا گیا ہے۔علوم و فنون کے حوالے سے اردو کے کردار کو نظرانداز کیا گیا۔یہ درست ہے کہ اردو ادب کی ترقی مسلمہ ہے مگر اردو کا مزاج ایسا ہے کہ ہر سانچے میں ڈھلنے کے لیے آمادہ و تیار رہتی ہے:

"اردو زبان کا ماضی ادبیات کا گہوارہ رہا ہے، شعر و ادب نے ہماری زبان کا اسلوب جذباتی اور شاعرانہ کر دیا ہے۔ یہ اردو نہ کاروبار میں چلے گی اور نہ سائنسی علوم میں، نہ معاشرتی معاملات میں، سائنس دان کی اردو کا لب و لہجہ ادبی اردو سے مختلف ہو گا۔ سماجی علوم پر لکھنے والے کی نثر، نقاد کی نثر سے الگ ہو گی۔ بینک کار کی اردو، ادیب کی اردو سے جداگانہ ہو جائے گی۔ دکاندار کا محاورہ اور روزمرہ بھی اس کی زبان کو ادبی سطح سے ممیز کر دے گا لیکن ہم اردو ادب کے اتنے عادی ہو گئے ہیں کہ ہر جگہ وہی شاعرانہ پیرایۂ اظہار اختیار کرتے ہیں جس کی ضرورت ان میدانوں میں نہیں ہے، ہم سب کو ایک لاٹھی سے ہانکنے کے عادی ہیں اور یہ مسئلہ تنہا زبان کے مختلف استعمالات ہی کا نہیں ہے اجارہ داریوں کا بھی ہے۔ جو شخص جس حلقے سے تعلق رکھتا ہے وہاں تو اس کی رائے چلے گی۔ اردو کے سائنسی اسلوب کی وضع قطع تو سائنس دان ہی متعین کرے گا۔ کاروباری زبان کا لب و لہجہ کاروباری حلقے بنائیں گے۔ دفتری زبان کا مزاج اہلِ دفتر کا حصہ ہے۔ ادیب کو ہر پھٹے میں ٹانگ اڑانے کی ضرورت نہیں ہے۔" (۱۷)

پاکستان میں اردو کو اس کا جایز مقام نہ ملنے کے متعدد اسباب ہیں، جس میں سب سے بنیادی سبب غلامانہ سوچ ہے جس سے آزادی حاصل کرنے کے لیے قومی حمیت و غیرت کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنا ازحد ضروری ہے۔ پاکستان میں اشرافیہ اور انتظامیہ کے پاس قوت، اختیارات اور لامحدود وسایل تو ہیں مگر ان

کی تربیت کے پس پردہ انگریزی موجود ہے اور یہ مراعات یافتہ طبقہ انگریزی سے دست بردار ہونے کو تیار نہیں ہے۔

"۱۸۵۷ء کے بعد ہماری بدنصیبی یہ رہی ہے کہ نظامِ تعلیم دولخت رہا۔ایک طرف تو دینی مدارس کا نظام ہے جس کا جدید علوم اور جدید مسائل سے علاقہ نہیں، دوسری طرف جدید تعلیم یافتہ طبقہ ہے جس کا اپنے ماضی سے کوئی رشتہ نہیں۔یہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ بھی دو حصوں میں بٹا ہوا ہے۔وہ تعلیم یافتہ لوگ جو دیسی مدارس کے تربیت یافتہ ہیں اور دوسرے جو خالص انگلش میڈیم اسکولوں کے ساختہ و پرداختہ ہیں، ان میں پہلا طبقہ نچلے درجوں میں اور دوسرا طبقہ اوپر کے درجوں پر فائز ہے۔دفتری نظام میں صاحبِ اختیار وہ نئی نسل ہے جس کا ذہنی اور جسمانی رشتہ انگریزی کے ساتھ ہے ایسے میں اپنی زبان کے بارے میں احساسِ کمتری ناگزیر ہے۔نیز ہر نئے تجربے میں ایک ہچکچاہٹ کا مرحلہ بھی آتا ہے۔۔۔بہرحال اس نئی پود کو اعتماد میں لینا ضروری ہے کیونکہ اس پہیے کے بغیر اردو کی گاڑی دفاتر میں نہیں چل سکے گی۔"(۱۸)

اردو زبان قومی وحدت اور یک جہتی کی علامت ہے۔پاکستان کے آئین میں اردو کے نفاذ کے ساتھ علاقائی زبانوں کی ترویج و ترقی اور فروغ کے لیے بھی خصوصی اقدامات پر زور دیا گیا ہے:

"اردو زبان کو پاکستان کی ملکی زبان قرار دیتے ہوئے اس بات کا احساس و ادراک بھی ناگزیر ہے کہ اردو کو صوبائی زبانوں سے ایسا رشتہ استوار کرنا چاہیے کہ معاشرت کی جگہ اتحادِ فکروعمل کی راہیں ہموار ہوں، دِلّی اور لکھنؤ اردو کے ماضی تھے۔اردو ادب کی تاریخ میں ان ادوار کی اہمیت مسلم ہے اور جب بھی اردو ادب کی کوئی تاریخ لکھی جائے گی۔دلی اور لکھنؤ کی ادبی اور لسانی کارکردگی کا ذکر نہایت شاندار الفاظ میں ہو گا اور ہونا چاہیے لیکن ہمارا ماضی، ہمارا حال نہیں ہے۔اگر اردو زبان کی طنابیں کس کر اسے زندہ حوالوں کی بجائے مردہ حوالوں کا پابند کیا گیا، اگر اردو کے مقامی بولی سے قریب آنے کا فطری عمل دِلّی اور لکھنؤ سے سند ڈھونڈنے کی لاحاصل کوشش میں صرف ہو گیا، اگر اردو کو بطور زندہ زبان اپنی جڑیں پاکستان کی سرزمین میں پیوست کرنے کا موقع نہ ملا تو مستقبل کا مؤرخ ہمیں کبھی معاف نہیں کرے گا۔ اردو میں قومی، بین العلاقائی اور رابطے کی زبان رہنے کی پوری صلاحیت ہے لیکن وہ اردو دلّی اور لکھنؤ کی اردو نہیں ہو گی، پاکستان کی اردو ہو گی۔" (۱۹)

قومی یک جہتی کے ضمن میں کسی زبان کے کردار کا جایزہ لینا مقصود ہو تو یہ دیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ زبان ملک کے طول و عرض میں ابلاغ کا فریضہ انجام دیتی ہوں، معاشرتی اور ثقافتی رابطوں میں اس کا کردار موئثر ہو، علمی اور تعلیمی ضروریات پورا کرتی ہو اور دفتری ضرورتوں سے عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت رکھتی ہو۔

اردو بطورِ زبان مندرجہ بالا چاروں ضروریات کو کماحقہ، پورا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

تحریکِ پاکستان میں اسلام کے بعد اردو کو ہی مرکزی حیثیت حاصل تھی۔علاوہ ازیں پاکستان مختلف زبانوں اور ثقافتوں کے امتزاج کا نام ہے۔ایک پاکستانی کے لیے ممکن نہیں کہ وہ پاکستان میں بولی جانے والی تمام زبانوں پر عبور حاصل کرے، اس لیے صرف اردو جاننے والا پورے پاکستان میں کسی بھی زبان بولنے والے فرد سے مکالمہ کر سکتا ہے۔چنانچہ صرف اور صرف اردو ہی سماجی اور ثقافتی رابطوں کی زبان قرار دی جا سکتی ہے۔

جہاں تک تعلیمی اور علمی ضروریات کا تعلق ہے اردو اظہار و ابلاغ کی بے پناہ وسعتوں کی امین ہے۔ دنیا میں بہت سی اقوام انگریزی کے بغیر ترقی کی معراج کو چھو رہی ہیں۔اعلیٰ درجوں میں انگریزی کی تدریس کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں مگر پوری قوم کو روزِ اول سے انگریزی کی بھٹی میں جھونک دینا کہاں کی دانش مندی ہے۔عالمی سطح پر رابطوں کے لیے بھی انگریزی کی کلیدی اہمیت اب ختم ہو چکی ہے، کمپیوٹر کی ایجاد اور میکانکی ترجمے نے نئے ابلاغ کا ایک نیا دروازہ کھول دیا ہے:

> ”یونیسکو کی رپورٹ موجود ہے کہ ”میکانکی ترجمہ ہی اب بین الاقوامی زبان ہو گا“ گویا اگر کسی ملک کو آگے بڑھنا ہے تو اسے دارالترجمے قائم کرنے پڑیں گے۔ترجمہ اب میکانکی ہوتا جا رہا ہے۔مترجم کمپیوٹر سامنے آ چکے ہیں۔اب اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا ہے تو ضرور ہی کسی عالمی زبان کو اختیار کریں۔ صرف چند افراد اور کمپیوٹر، ترجمے کے لیے وقف کر دیجیے۔ان زبانوں کے علمی سرمائے کا نچوڑ اپنی زبان میں آ جائے گا۔آپ شوق سے اسے استعمال کریں اور تخلیق کی کھیتیوں کی آب یاری کریں۔“ (۲۰)

جہاں تک اردو کے سرکاری یا دفتری زبان ہونے کا تعلق ہے تو اس حوالے سے کیے گئے تمام اعتراضات اب فرسودہ ہو چکے ہیں۔کمپیوٹر کے فروغ نے اردو کے لیے بھی نئے راستے کھول دیے ہیں۔دفتری اردو کے حوالے سے بھی قابلِ قدر کام کیا جا چکا ہے:

> ”مجلسِ زبانِ دفتری نے سب سے پہلے دفتری اردو کی لغت مرتب کر دی تھی جس کی معیاربندی مقتدرہ نے کر دی ہے تو مقتدرہ نے اس کے ساتھ ساتھ انگریزی محاوروں کی لغت بھی شایع کر دی ہے۔دفتری خط و کتابت کے نمونے پیش کر دیے

ہیں جو کئی جلدوں میں موجود ہیں۔ پچھلے چند برسوں میں ساڑھے تین لاکھ اصطلاحیں شایع کی ہیں۔ یہ سب کچھ ظاہر کرتا ہے کہ اس پہلو سے بھی اردو تہی دست نہیں ہے۔'' (۲۱)

## حوالہ جات


۱۔ ڈاکٹر وحید قریشی۔اردو بحیثیت قومی زبان۔اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۶ء، ص۵۔۱۱

۲۔ ڈاکٹر سید عبداللہ۔اردو ذریعہ تعلیم اور نفاذِ اردو۔اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۶ء، ص۲۰

۳۔ ایضاً

۴- Mukhtar Zaman. Urdu A Language with Manifold Capabilities. Islamabad: National Language Authority, 1985, P. 11

۵۔ آفتاب حسن۔ اردو ذریعہ تعلیم اور اصطلاحات۔ کراچی: شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ، کراچی یونیورسٹی، س۔ن، ص۲۴

۶۔ ایضاً۔ص۲۴۔۶۹

۷۔ ڈاکٹر سہیل بخاری۔اردو رسم الخط کے بنیادی مباحث۔اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۸ء، ص۹۱

۸۔ ایضاً۔ص۱۱۵

۹۔ پروفیسر نیاز عرفان، نور احمد شاد۔دفتری املا (دفتری اردو، ورکشاپ۔حصہ چہارم)۔اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۰ء، ص۹

۱۰۔ عرفان احمد امتیازی۔اقسام تحریر۔اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۷ء، ص۸۱

۱۱۔ ڈاکٹر عبدالمالک عرفانی۔اردو میں عدالتی فیصلہ نویسی اور منتخب عدالتی فیصلے۔اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۹ء، ص۱۱۔۱۲

۱۲۔ ڈاکٹر سید عبداللہ۔دفتری زبان اور نظامِ تعلیم۔اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵ء، ص۳

۱۳۔ لیفٹیننٹ کرنل غلام جیلانی خاں، پاک فوج میں اردو،اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۹ء، ص۶۸۔۷۱

۱۴۔ بریگیڈیئر ریٹائرڈ گلزار احمد، قومی زبان کا نفاذ۔چند دشواریاں، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۴ء، ص۱

۱۵۔ ایضاً ۱۶۔ ایضاً

۱۷۔ ڈاکٹر وحید قریشی۔دفتری اردو، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵ء، ص۵۔۶

۱۸۔ ایضاً۔ص۶۔۷

۱۹۔ ڈاکٹر وحید قریشی، قومی زبان اور ہمارا تشخص، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۶ء، ص۱۹۔۲۰

۲۰۔ ڈاکٹر عطش درانی۔اردو جدید تقاضے نئی جہتیں۔اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۶ء، ص۶۷

۲۱۔ ایضاً۔ص۶۸